ڈاکٹر عزیز ابن الحسن
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اہل قلم کی مطالعاتی زندگی کا علمی سفرنامہ

ذہنی اور تہذیبی زندگی میں کتابیں انسان کی اہم ساتھی ہوتی ہیں اور کتابیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ مختلف موضوعات و مسائل پر کتابیں مگر ایک محدود اور مخصوص تعداد ایسی کتابوں کی ہوتی ہے جو کتابوں کے بارے میں ہوتی ہے۔ یعنی کتابوں کے بارے میں کتابیں۔ مثلاً چند ایک معروف کتابیں:

۱۔ کتابیں جنہوں نے دنیا بدل ڈالی

۲۔ ۱۰۰ عظیم کتابیں

۳۔ اہل علم کی محسن کتابیں، وغیرہ

ایسی ہی ایک کتاب، ہماری آج کی زیر نظر کتاب میرا مطالعہ- معروف اہل علم کی مطالعاتی زندگی ہے۔ ہر پڑھنے والا کتابوں سے آشنا تو ہوتا ہی ہے مگر کتابوں کے ذریعے دراصل ہم ان کے لکھنے والوں سے آشنا ہوتے ہیں اور شیخ سعدی کا معروف مقولہ تا مرد سخن نگفتہ باشد/ عیب و ہنرش نہفتہ باشد کتابوں پر بھی صادق آتا ہے۔ کتابوں کے ذریعے عموماً ہم ان کے مصنفین کے بارے میں جانتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ہمارے سامنے ایسی کتابیں آتی ہیں جن کے ذریعے ہم ان لوگوں سے بھی آشنا ہوتے ہیں جن کی زندگی کو کچھ مخصوص کتابوں نے کسی خاص رخ پر ڈھالا ہوتا ہے۔ آج ہم ایک ایسی ہی کتاب کے بارے میں کچھ بات کریں گے۔۔

میرا مطالعہ میں ہم جن لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہونے والی کتابوں سے آشنا ہو رہے ہیں یہ سب لوگ ہمارے سامنے کے لوگ ہیں۔ ہم ان کی باتیں سنتے ہیں ان کی تحریریں اور کتابیں پڑھتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارے آج کے پڑھنے لکھنے کی سرگرمی سے وابستہ لوگوں کے لیے اجنبی نہیں ۔ ہم انہیں کسی نہ کسی انداز سے دور و قریب سے جانتے ہیں۔ ان کے خیالات، فکر اور مزاج اور افتادِ طبیعت کے بارے میں کچھ نہ کچھ اندازے بھی لگا لیتے ہیں۔ مگر اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ ہمارے ان پسندیدہ (یا ناپسندیدہ) مصنفین کی زندگی اور فکر کا یہ مخصوص رخ کن اسباب، کس ماحول اور سب سے بڑھ کر کن مخصوص کتابوں کے زیر اثر بنا، وہ ایسے بننے کے لیے کن کن کتابوں اور مؤثرات کے مرہونِ منت ہیں: یعنی کن کتابوں اور حالات نے ان کی شخصیت کی تعمیر میں حصہ لیا اور یہ کہ ان کتابوں نے ان لوگوں پر یکساں اثرات ڈالے یا مختلف طور پر اثر انداز ہوئیں۔ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی بارش اور بیج مختلف زمینوں پر ایک ہی طرح کا اثر ڈالے اسی طرح یہ بھی عین ممکن ہے کہ ایک کتاب مختلف مراجوں پر مختلف طور پر اثر انداز ہو۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ ہمیں صرف مطالعہ ہی نہیں کرنا چاہیے بلکہ مطالعے کا طریقہ بھی سیکھنا چاہیے۔ مطالعے سے پہلے اگر مطالعے کا طریقہ بھی سیکھ لیا جائے تو ہم تھوڑے مطالعے سے بھی زیادہ اور بہتر طور پر استفادہ کر سکتے ہیں اور دوسرا تجربہ میرا یہ ہے کہ کتابوں سے کہیں زیادہ افادیت اس ماحول اور ان استادوں کی ہوتی ہے جو آپ کو کتابوں سے آشنا کراتے ہیں اور آپ کے مزاج کو ایک خاص رخ پر ڈھالتے ہیں۔ اور تیسرا نکتہ یہ سوال ہے کہ آپ کو ایک خاص طرح کا انسان کوئی مخصوص ماحول اور کتاب بناتی ہے یا آپ کا کوئی مخصوص میلان طبع آپ کو کسی خاص ماحول یا کتاب کی طرف لے جاتا ہے۔ اس بارے میں حتمی طور پر تو شاید آسانی سے کچھ نہ کہا جاسکے۔ مگر میرا تاثر قدرے اس طرف مائل ہے ماحول، استاد اور کتاب آپ کو بڑی حد تک ایک خاص رخ پر ڈھالتے ہیں مگر آخر الامر یہ آپ کا مزاج، میلان اور رجحان طبع ہوتا ہے جو کچھ مخصوص کتابوں اور ماحول کے اندر تربیت پانے کے باوجود آپ اپنی ہی طرح کے انسان بن کر نکلتے ہیں۔ کم از کم عقلی استدلال کی قبولیت و ناقبولیت کے حوالے سے تو میں اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں یہ عقل اور منطق نہیں جو ہمارے اندر ایک مخصوص رجحان پیدا کرتے ہیں بلکہ یہ ہمارا میلان طبع ہوتا ہے جو کچھ خاص قسم کے دلائل گھڑنے اور انہیں پسند کرنے کی طرف ہمیں مائل کرتا ہے (خیر میری اس بات کو جملہ معترضہ سمجھا جائے اور ہر آدمی کو اس بارے میں اپنی رائے رکھنے کا حق ہے)

مجھے حیرت آمیز مسرت اس وقت ہوئی جب اس کتاب کے مطالعے کے دوران مختلف شخصیات کی مطالعاتی زندگی، طریقِ مطالعہ، ماحول، اساتذہ اور ان کے زیر مطالعہ کتب کے بارے میں پڑھتے ہوئے مجھے اکثر اپنے ان تین تاثرات کی تصدیق ملتی رہی۔ (تفصیل میں کسی اور موقع کے لیے چھوڑتا ہوں)

اب ذرا اس کتاب کی ترتیب اور پیٹرن کی طرف آتے ہیں۔

لگتا ہے کہ مرتب نے اس کتاب کا خاکہ بناتے ہوئے ایک مخصوص انداز کا سوالنامہ کتاب میں موجود تمام شخصیات کے سامنے رکھا ہے اور اس کو سامنے رکھ کر مصنفین نے جواب دیئے ہیں۔ مرتب نے اپنے دیباچے/مقدمے میں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا ماسوائے اس کے کہ یہ گفتگوئیں ریکارڈ کی گئیں تھیں۔ میں نے جس مخصوص ترتیب کا ذکر کیا ہے یہ ہر شخصیت کی باتیں پڑھتے ہوئے سامنے آتی ہے۔ اس سے گویا ہم کتاب کا ایک ''ساختیاتی مطالعہ'' بھی کر سکتے ہیں۔ مصنفین نے جس مخصوص انداز سے اپنی مطالعاتی زندگی پر روشنی ڈالی ہے اس سے درج ذیل ساختیاتی ڈھانچہ سامنے آتا ہے:

☆ ابتدائی رجحانات اور مطالعے کے محرکات

☆ پڑھنے والے پر کن کن شخصیات اور کتابوں کا اثر ہوا

☆ ادبی نثری کتابوں میں ناول افسانہ، طنز و مزاح

☆ مذہبی کتابوں اور تاریخ، سیرت و تصوف سے خصوصی شغف نظر آتا ہے

☆ طریق مطالعہ کیا ہے؟: یعنی پڑھنے والا محض حافظے پر انحصار کرتا ہے، الگ سے نوٹس لیتا ہے یا کتاب پر ہی

حواشی لکھتا ہے۔

- ☆ پڑھنے والوں کی ذاتی لائبریری ہے یا نہیں اور وہ گھر میں کتابیں کہاں رکھتے ہیں یا کیسے سنبھالتے ہیں
- ☆ غیر ملکی ادب، ناول، افسانہ شاعری میں کیا ان کے زیر مطالعہ رہا۔
- ☆ کون کون سی زبانوں میں مطالعہ کیا
- ☆ ادبی مطالعے کی اہمیت کیا ہے اور زبان و اسلوب سے آشنائی کس حد تک ضروری ہے
- ☆ اخبارات و رسائل اور کالم کون کون اور کون کون سے پڑھتے ہیں
- ☆ مطالعے کا ماحول، انداز یعنی آپ بیٹھ کر یا لیٹ کر پڑھتے ہیں۔
- ☆ کیا دوران سفر مطالعہ کرتے ہیں، اگر ہاں تو کس طرح کا مطالعہ کرتے ہیں۔
- ☆ تین اہم کتابیں جو آپ ساتھ رکھنا چاہیں!
- ☆ اپنی اگلی نسل میں مطالعے کا شوق کیسے پیدا کیا یا اس میں دقتیں پیش آئیں۔
- ☆ عارتیاً کتابیں لینے/دینے کا معاملہ اور سلسلے کے تجربات کیا رہے۔
- ☆ تقریباً ہر ایک نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ گھر میں کتابیں سنبھالنا مسئلہ بن چکا ہے۔

کتاب میں شامل مصنفین کی اگر زمرہ بندی کی جائے تو ڈاکٹر مبارک علی اور زاہد حنا ایک زمرے کے اور باقی سب تقریباً دوسرے زمرے کے لوگ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مرتب کو اس سلسلے میں اپنا حساب متوازن رکھنا چاہیے تھا اور پھر یہ بات بھی تعجب میں ڈالتی ہے کہ اتنی اچھی کتاب میں صرف ایک خاتون ادیب کو شامل کیا گیا ہے۔ آدھی نہیں تو کم ازکم ایک چوتھائی نمائندگی خواتین کو ضرور ملنی چاہیے تھی۔ زاہدہ حنا کے پورے انٹرویو میں ان کی شخصیت اور کام کی طرح نسائی احساس پورے ماحول پر چھایا ہوا ہے۔

اوپر میں نے کتاب کی جس مخصوص ''ساختیاتی'' نوعیت کی طرف اشارہ کیا ہے، ان نکات کی طرف مصنفین کے جوابات میں کچھ تو تنوع ہے مگر اکثر میں ایک دلچسپ وحدت کا احساس ہے مثلاً کم و بیش تمام لوگوں نے بتایا ہے ابتدائی مطالعے کے دوران میں انہیں اپنے گرد و پیش اور گھر کے ماحول سے مدد ملی ہے ۔تقریباً سبھی لوگ مطالعے کو سفر حضر، دونوں میں عزیز رکھتے ہیں۔

عارتیاً کتابیں دینے اور نتیجے میں تلخ تجربات کا سب ذکر کرتے ہیں۔ دو چار نے تو یہ تک بتایا کہ ''مستعیر'' (یہ لفظ مجھے حکیم محمود احمد برکاتی ،مشمولہ کتاب ہذا سے ملا اور بہت دلچسپ اور انوکھا لفظ ہے اسے مروج کیا جانا چاہیے) اکثر و بیشتر کتاب واپس لوٹانے سے یا تو صاف انکاری ہو گئے یا کہہ دیا کہ آپ کو لوٹا دی تھی مگر بعد میں مستعار دینے والے کو یہی کتاب ''مستعیر'' کے ہاں، کباڑیے کے پاس یا کسی اور دوست کے گھر نظر آ جاتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک وقت تک کتابیں خریدنا اور جمع کرنا مشکل ہوتا ہے مگر آخر میں سب سے اہم مسئلہ کتابیں سنبھالنے کا ہو جاتا ہے۔ زیرِنظر مصنفین نے بھی یہ مسئلہ اکثر بیان کیا ہے کہ گھر میں اب کتابیں رکھنے کی جگہ ہی نہیں رہی۔ مثلاً اسلم فرخی اور آصف فرخی نے کہا کہ یا گھر کے ہر کمرے میں اب کتابیں ہی کتابیں ہیں۔

ایک مشترک مسئلہ جو کم وبیش کتاب کے سب مصنفین کو درپیش ہے وہ آئندہ نسل میں مطالعے کا ذوق وشوق برقرار رکھنا ہے، کیونکہ نئے ذرائع ابلاغ وتفریح (ٹی وی، کمپیوٹر، موبائل فون) نے بچوں کی دلچسپیوں کے رخ تبدیل کر دیئے ہیں۔ اور اس سے بھی تشویش ناک تر پہلو یہ ہے کہ نئی نسل اردو سے زیادہ انگریزی کی طرف مائل ہے۔

کتاب میں شامل تمام مصنفین نے کتابیں جمع کرنے اور ذاتی لائبریری بنانے کے شوق کا اظہار کیا ہے ۔مگر احمد جاوید اور سہیل عمر نے ایسا نہیں لکھا۔ان دونوں مصنفین کے پاس گھر میں کتابیں جمع کرنے کا کوئی رجحان نہیں ملتا۔ راقم نے سراج منیر کے ہاں بھی ایسا ہی مشاہدہ کیا تھا کہ انکے گھر میں کتابیں نہیں ہوتی تھیں۔[۱]

اکثر مصنفین کتاب پر حواشی لکھنے کے قائل ہیں بعض صرف نوٹس لیتے اور بہت کم تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو صرف حافظے پر اعتماد کرتے ہیں۔ایک تقریباً مشترک امر سب میں یہ ہے کہ مصنفین، خواہ مذہبی رجحان کے حامل ہوں یا غیر مذہبی کے، ابتدائی مطالعہ سب کا ادبی ہے۔ داستانیں، طلسم ہوش ربا، الف لیلیٰ، ڈپٹی نظیر کے ناول، غالب، حالی اور اقبال سب پڑھتے ہیں۔حتیٰ کہ ڈاکٹر مبارک علی اور زاہد حنا تک اقبال کے ''شکوہ''،'' جواب شکوہ'' پر سر دھتے نظر آتے ہیں۔

طریق مطالعے کے باب میں انور سدید نے ایک بات نے بہت حیرت انگیز لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ روزانہ بہت سی کتابیں اور رسائل دیکھنے ہوتے ہیں اس لیے میں نے مستقیم انداز سے افقی لکیر پر نظر دوڑانے کے ساتھ ساتھ پورے صفحے کو ''وتری'' انداز میں پڑھنے کی عادت بھی بنا رکھی ہے۔ یہ وہی اندازِ کتاب خوانی ہے جس کے بارے میں سمرسٹ ماھم نے لکھا ہے کہ اگر آپ Art of Skipping سے واقف ہیں تو روسی ادب جیسے ضخیم ترین ناول پڑھنا بھی قطعی مشکل نہیں ہوتا۔

دوچار مصنفین (مثلاً احمد جاوید اور زاہدہ حنا) میں یہ بات نظر آئی کہ ان کے بزرگ اور استاد ان سے کتابوں کے کچھ اوراق کی باقاعدہ قرات کرا کر سنا کرتے تھے۔ یہ اگلے زمانوں کا عام دستور تھا کہ بچوں کو پڑھنے کی عادت ڈالنے اور ان کا تلفظ و املا درست رکھنے کے لیے بطور تربیت بزرگ یہ طریقہ اپناتے تھے۔ افسوس کہ یہ رسم اب ختم ہوتی جاتی ہے۔(یہ بات فیض صاحب نے بھی لکھی ہے کہ ان کے والدان سے انگریزی اخبار پڑھوا کر سنا کرتے تھے) اس سے طریقِ قرات اور مطالعے میں جو پختگی آتی ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔

میرے اب تک کے مطالعے میں زاہدہ حنا وہ پہلی ادیب ہیں جنہوں نے قصص الانبیاء کی کہانیوں میں تخیل کی کارفرمائیوں کی عجیب دنیا دریافت کی ہے اور یہ کام ایک فکشن نگاری ہی کر سکتا تھا۔ ورنہ اب تک تو سخت قسم کے مذہبی حلقوں میں اس کے قصوں کے غیر مستند ہونے کے حوالے سے ہی باتیں کی جاتی رہی ہیں۔

☆☆☆

چند ایک باتیں جنہیں مرتبِ کتاب کی خدمت میں بطور دادِ کے پیش کرنا چاہئے یہ ہیں:

سب سے اہم بات یہ ہے کہ بظاہر یہ کتاب انٹرویوز پر مشتمل ہے مگر اتنی مربوط اور مرتب کہ باقاعدہ سوچی سمجھی تحریر کا گمان ہوتا ہے۔ یہ میں خصوصاً ڈاکٹر مبارک علی، زاہدہ حنا، عبدالجبار شاکر اور طارق جان کے انٹرویوز کے حوالے سے کہہ رہا ہوں۔ طارق جان کے انٹرویو میں تو باقاعدہ اقتباسات تک شامل ہیں۔ اس لیے گمان ہے کہ انہوں نے یہ سب خود تحریر کیا ہے۔ اصل حقیقت کیا ہے یہ مرتبِ خود ہی بتا سکتے ہیں۔

ذاتی طور پر مجھے اس میں احمد جاوید، سہیل عمر، زاہدہ حنا، ڈاکٹر مبارک علی اور طارق جان نے بہت متاثر کیا ہے۔ احمد جاوید اور سہیل عمر سے تو میں نسبتاً واقف تھا۔ مگر میں نے اس تحریر سے ان کے بارے میں بہت کچھ نیا بھی جانا ہے۔ دوران مطالعہ میں عجیب احساسات سے گذرا ہوں۔ اس کتاب میں ایسی کتنی ہی کتابوں کا ذکر پڑھا جو ہم نے منصوبہ بنا کر رکھی تھیں کہ ''بڑے'' ہوکر پڑھیں گے مگر نہیں پڑھی جاسکیں، کچھ ادھوری پڑھ کر ہی چھوڑ دیں، کچھ سے لاعلم گذر گیا مگر دیکھا جائے تو نقصان اپنا ہی کیا۔ اس کتاب نے میرے اندر نیا ولولہ پیدا کر دیا ہے اور نقصان کی تلافی کا جذبہ بھی۔

ان مصنفین کے مطالعے سے قاری کو ان مصنفین کی شخصیتوں کو تشکیل دینے والے ماحول محرکات اور ان کی کتب کو جاننے کا موقع ملا ملتا ہے۔ ان شخصیات کے باطن کے چند نئے گوشوں سے واقفیت ہوتی ہے۔ اور خود اپنی کوتاہیوں کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے۔ ایک کتاب قاری کے اندر اگر یہ سب کچھ کر دئے تو اس سے بڑھ کر اور کیا اس کی کرامت ہو سکتی ہے۔ لاریب ایسی کتابیں، اچھی کتابیں کہلانے کی حق دار ہوتی ہیں۔

پبلشنگ کی دنیا میں نسبتاً نئے ادارے ایمیل (EMEC)، اسلام آباد نے کتاب سازی میں ذوق جمال کو ایک ایسے نئے ڈھنگ سے روشناس کرایا ہے جو دوسروں کے لیے نمونہ بن گیا ہے اس ادارے کی تیار کردہ کتاب کی سب سے بڑی خوبی صوری حسن کی یہ جہت ہے کہ ان کی مطبوعہ کتابیں ازخود قاری سے ''کلام'' کرتی ہیں۔ ایمیل کے ناشر کتاب میں سے اہم اور خوبصورت جملے نکال کر انہیں کچھ صفحات پر اس طرح نمایاں کرتے ہیں کہ قاری کی توجہ فوری طور پر زیرِنظر صفحے یا باب کے اہم نکات کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

دو ایک دلچسپ باتیں جنہوں نے مجھے بطور قاری بہت محظوظ کیا یہ ہیں کہ

اکثر مذہبی مزاج مصنفین نے جہاں مولانا اشرف علی تھانوی کی کتابوں کا بہت ذکر کیا ہے، وہاں زاہدہ حنا نے یہ لکھا ہے کہ میرے والدین نے مجھے کبھی کسی کتاب سے منع نہیں کیا تھا مگر دونوں نے ایک کتاب کے بارے میں سخت سرزش کی اور وہ کتب تھی، بہشتی زیور ڈاکٹر انور سدید نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میں نے سلیم اختر کی کتابیں پڑھنا چھوڑ رکھی ہیں اور گھر سے بھی نکال دی ہیں کیونکہ وہ ''فحش'' ہوتی ہیں۔ اس جملے کا لطف وہی لوگ لے سکتے ہیں جو ڈاکٹر انور سدید اور ڈاکٹر سلیم اختر کی ادبی نوک جھوک کی تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں۔

حواشی

۱۔ جمال پانی پتی نے ایک دفعہ راقم کو بتایا کہ سلیم احمد کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔کوئی بھی نئی کتاب آتی تو چند روز تک، ریڈیو میں آتے جاتے، اٹھتے بیٹھتے، دوستوں سے ملتے، باتیں کرتے ، چائے پیتے ہوئے وہ کتاب سلیم احمد کے ہاتھ میں نظر آتی مگر یہ نہ پتا چلتا کہ سلیم احمد کتاب پڑھتے کب ہیں اور پھر وہ چلی کہاں جاتی ہے۔کیونکہ ان کے گھر میں بھی کتابیں نہیں ہوتی تھیں۔